بین الاقوامی تعلقات کی بہتری

(فرمودہ ۵/اگست ۱۹۲۷ء)

تشہد تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

ہندو مسلمانوں کے درمیان پچھلے دنوں جو اختلاف پیدا ہوا ہے اس کے جائز و ناجائز ہونے کو نظر انداز کر کے اس بات کے متعلق کوئی بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ ملک کی بہبودی اور دنیا کے امن کے قیام کو مد نظر رکھتے ہوئے اس قسم کے فساد اور فتنے ضرور مضر ہوتے ہیں۔ لیکن جس طرح لڑائی کو ہر شخص ناپسند کرتا ہے اور جس طرح جنگ ہمیشہ سے بری سمجھی گئی۔ اسی طرح دنیا کے اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاق کے لوگ جن کے اخلاق کے سامنے دنیا نے سر جھکا دیئے۔ جنگ کی ضرورت کے قائل بھی رہے ہیں۔ اور نہ صرف قائل رہے ہیں خود جنگوں میں حصہ لیتے رہے ہیں بلکہ انہوں نے جنگیں برپا کی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے مطابق بعض چیزیں اچھی اور بعض بری ہوتی ہیں۔ میرا اپنا خیال تو یہی ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ ہر چیز ہی موقع کے لحاظ سے اچھی اور بری ہو سکتی ہے لیکن اگر ہر چیز کے لئے یہ خیال نہ بھی کیا جائے تو بہت سی چیزوں کے متعلق تو یہ کہنا ضرور ٹھیک ہے۔ پس تلوار کی لڑائی بھی اور بندوقوں کی جنگ بھی اور توپوں کی بوچھاڑ بھی بعض موقعوں پر اچھی اور بعض پر بری ہوتی ہے لیکن بعض جگہ انصاف کے قیام کے لئے تلوار کا اٹھانا ضروری ہوتا ہے۔ بعض جگہ امن کے قیام کے لئے اک فتنہ پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور بظاہر جو چیز اس وقت فتنہ معلوم ہوتی ہے درحقیقت دنیا کی بہتری اور بھلائی کا باعث ہوتی ہے۔ اسی طرح موجودہ فتنہ جو ہندو مسلمانوں کے جھگڑوں کا پیدا ہوا ہے۔ گو اس کے بواعث کیسے ہی خطرناک اور اخلاق و دیانت سے کتنے ہی گرے ہوئے کیوں نہ ہوں آئندہ امن کے قیام میں بہت مدد دے سکتا ہے۔ ہاں اس فتنہ کا لمبا ہوتے جانا بعض لحاظ سے ضرور ضرر رساں ہے پس جلد یا بدیر

دنیا کو یا کم از کم ہندوستان کے لوگوں کو سوچنا پڑیگا کہ اس فتنہ کے دور کرنے کے ذرائع کیا ہیں۔ یہ قدرتی بات ہے کہ جب ایک قوم کو دوسری قوم سے اپنے افعال کی وجہ سے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے تو خواہ دیانتداری سے یا بددیانتی سے سچائی پر اپنی آواز کو مبنی کرکے یا فریب سے مدد لیتے ہوئے وہ قوم ایک رنگ میں ندامت کا اظہار کرتی ہے۔ بسااوقات اس ندامت کے اظہار میں منصوبہ اور مکر پوشیدہ ہوتا ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو صلح کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے اس لئے نہیں بڑھاتا کہ صلح کرنا چاہتا ہے بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے مناسب موقع نہ دیکھا تھا جس وقت کہ جنگ کی بنیاد رکھی۔ اب مجھے دوسرے وقت کا انتظار کرنا چاہئے۔ اور اس وقت صلح کرکے اپنا پیچھا چھڑانا چاہئے۔ ایسے وقت میں صلح کے لئے جو کچھ وہ کہتا ہے وہ صرف الفاظ ہوتے ہیں۔ جو حقیقت سے خالی ہوتے ہیں۔ اور خالی الفاظ کی صلح پر قوم کی زندگی کی بنیاد قائم نہیں کی جاسکتی۔ پس صلح کے متعلق جب سوال اٹھایا جائے تو اس پر بہت احتیاط سے غور کرنے کی ضرورت ہے اس وقت جب کہ ہندوؤں میں یہ احساس پیدا ہو۔ کہ انہوں نے بانی اسلام ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے میں غلطی کی ہے اور وہ ظاہر کریں کہ صلح پر آمادہ ہیں تو اسلام کی تعلیم تقاضا کرے گی کہ مسلمان اس آمادگی پر نفرت کا اظہار نہ کریں بلکہ خود بھی آمادگی کا اظہار کریں۔ چونکہ جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے کہ جلد یا بدیر وہ وقت آنے والا ہے جب صلح کا سوال پیدا ہوگا۔ اس لئے ہمیں پہلے سے سوچنا چاہئے کہ ایسے موقع پر کن شرائط سے ہمیں صلح کرنی چاہئے۔ اور کیسی صلح سے اجتناب کرنا چاہئے۔

بہت سے کمزور طبع انسان جو محض جھگڑے کو دیکھ کر دشمن کے خلاف کھڑے ہوتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں دشمن صلح کے لئے کہتا ہے تو کہہ دیتے ہیں اب جھگڑے کی کیا بات ہے۔ صلح کرکے جھگڑا ختم کرنا چاہئے۔ لیکن یہ امر ان لوگوں کی بزدلی پر دلالت کرتا ہے نہ کہ جرات پر۔ یہ اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ ان کے اخلاق اعلیٰ ہیں بلکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں ہمت کی کمی ہے جو لوگ دین کی باتوں کو محض الفاظ کی صلح پر قربان کرکے صلح کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں وہ بیوقوف ہوتے ہیں۔ دیکھو بنو نضیر نے جب رسول کریم ﷺ کے حملے کے وقت محسوس کیا کہ آپ کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اور ان کی یہ امیدیں پاش پاش ہوگئیں کہ منافق مدد کریں گے تو انہوں نے فوراً کہلا بھیجا کہ ہم اپنے کئے پر نادم ہیں اور اپنی غلطی کا اقرار کرتے ہیں ہم سے صلح کرلی جائے۔ اس وقت رسول کریم ﷺ نے یہ نہ فرمایا کہ اچھا تم نے اپنی غلطی تسلیم کرلی ہم تم سے صلح کرتے

ہیں۔ کیونکہ جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ ایسے افعال تھے جن کے لئے لفظی ندامت کافی نہ تھی۔ ان کی صرف ایک غلطی نہ تھی بلکہ بیسیوں غلطیاں رسول کریم ﷺ کی نظر میں تھیں۔ اور وہ ایسی نہ تھیں جنہیں اجتہاد کی کمزوری کی غلطی کہا جاسکے۔ بلکہ وہ غلطیاں ایسی تھیں جن میں کمینہ پن غداری و خفیہ سازش کی آمیزش تھی۔ اتنے لمبے تجربے اور اتنی غلطیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اور ایسی غلطیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جو وقتی جوش کے ماتحت نہیں آسکتی تھیں بلکہ غداری اور سازش کے نتیجہ میں تھیں۔ ان کی وجہ سے رسول کریم ﷺ ان لوگوں کے لفظوں پر اعتبار نہ کرسکتے تھے اور نہ آپ نے اعتبار کیا۔ جب انہوں نے کہا ہم صلح کرتے ہیں تو ان امور پر نظر ڈالتے ہوئے اور ان کے اطوار و اعمال کا تجربہ سامنے رکھتے ہوئے آپ نے کہا ہم بھی صلح کے لئے تیار ہیں۔ مگر ہم اس صلح پر کسی نیک نتیجہ کا مدار نہیں رکھ سکتے۔ جو صرف اتنی ہو کہ لڑائی بند ہو جائے۔ اگر تمہارا اس سے یہ مطلب ہے کہ پہلے کی طرح ہماری بغل میں بیٹھے رہو۔ اور جب موقع ملے چھری چلاتے رہو تو اس کے لئے ہم تیار نہیں۔ اب صلح اسی پر ہو سکتی ہے کہ دس دن کے اندر اندر تمام قلعے خالی کردو۔

یہ وہ احتیاط تھی جو دنیا میں صلح کی سب سے بڑی خواہش رکھنے والے انسان نے کی۔ دنیا میں اگر کوئی سب سے زیادہ امن قائم کرنے والا اور صلح رکھنے والا انسان ہو سکتا ہے تو وہ محمد ﷺ تھے۔ مگر آپ نے بھی یہ نہیں کیا کہ جب دشمن نے کہا صلح کرلو تو آپ نے کہا کرلو۔ بلکہ آپ نے دیکھا ان لوگوں نے کسی وقتی جوش کے ماتحت نہیں بلکہ سالہا سال کی شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں کے نتیجہ میں جنگ کی۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں۔ باہر کے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا۔ ہر قسم کے منصوبے کئے جب اتنے لمبے عرصہ میں انہوں نے خدا کا کوئی خوف نہ کیا۔ اور کسی شرافت کا ثبوت نہ دیا تو آئندہ ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ ان حالات میں آپ نے صلح تو کی مگر ایسی شرائط پر کی کہ آئندہ کے لئے خطرہ نہ رہے۔

اس وقت جو جھگڑا ہندوؤں اور مسلمانوں میں ہے اس کے متعلق بھی ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ آیا یہ وقتی جوش کے ماتحت پیدا ہوا۔ کسی ایک آدمی نے اٹھایا یا سالہا سال کی کوششوں۔ تدبیروں اور منصوبہ بازیوں کا نتیجہ ہے۔ اور قوم کی قوم اس کے پیچھے ہے۔ اگر ایک لحہ کے لئے بھی حالات پر نظر ڈالیں تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے اندر بہت بڑے بڑے اور بہت سے لوگوں کا دخل ہے۔ اور یہ منصوبہ بیسیوں سال سے چلا آرہا ہے۔ رسول کریم ﷺ اور اسلام کی ہتک آج

نہیں کی گئی۔ بلکہ آج سے بہت عرصہ پہلے سے یہ ناپاک فعل عمل میں لایا جا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ میر قاسم علی صاحب نے انیسویں صدی کا مہرشی کے نام سے جو کتاب شائع کی اس کی وجہ سے رنگیلا رسول لکھا گیا جو انیسویں صدی کے مہرشی کا جواب ہے۔ اس طرح یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ فتنہ کی ابتدا مسلمانوں نے کی اور مسلمانوں نے ہندوؤں کو بھڑکایا۔ لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔ اسلام کے خلاف نیا سلسلہ کتابوں کا شدھی کی تحریک کے ساتھ شروع ہوا۔ ان دنوں میر صاحب کی کتاب سے پہلے کئی گندی کتابیں اور رسالے۔ اسلام۔ اسلام کے خدا اور رسول کے متعلق آریوں کی طرف سے شائع کئے گئے۔ پس "رنگیلا رسول" "انیسویں صدی کے مہرشی" کے جواب میں نہیں لکھی گئی بلکہ "انیسویں صدی کا مہرشی" ان کتابوں رسالوں اور ٹریکٹوں کے جواب میں شائع کی گئی جو آریوں نے اسلام کے خلاف شائع کئے اور جن میں نہایت ناپاک اور گندی گالیاں دیں۔ پھر وہ ان گندے الزامات کے جواب میں ہے جو شدھی کے میدان میں اسلام پر لگائے گئے۔ جس گندے پیرائے میں اور جس خطرناک رنگ میں ملکانہ کے علاقہ میں اسلام کو پیش کیا جاتا تھا۔ اور بانی اسلام پر جس طرح گندے الزامات لگائے جاتے تھے وہ چاہتا تھا کہ آریوں کو جواب دیئے جائیں۔ پس اگر ایک ایسے شخص نے جس کے مذہب پر اور جس کے ہادی پر ایسے گندے اعتراضات کئے گئے۔ پتھر کے مقابلہ میں پتھر سے جواب دیا۔ تو ہرگز کسی آریہ کا حق نہیں کہ یہ کہے۔ "رنگیلا رسول" انیسویں صدی کے مہرشی کے جواب میں لکھی گئی۔ بلکہ ہمارا حق ہے کہ ہم کہیں "انیسویں صدی کا مہرشی" ان کتابوں اور ان رسالوں کے جواب میں لکھی گئی جو ملکانوں میں آریوں نے شائع کئے۔ اور ان تقریروں کے جواب میں لکھی گئی جو اسلام کے خلاف ہر جگہ آریوں کی طرف سے کی جاتی ہیں۔ اور ان حملوں کا جواب ہے جو اسلام کی مقدس ہستیوں پر کئے جاتے ہیں۔ پس یہ بالکل غلط اور جھوٹ ہے کہ ابتدا مسلمانوں کی طرف سے ہوئی۔ موجودہ فتنہ میں بھی ابتدا آریوں کی طرف سے ہی ہوئی۔ اور کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ اس جھگڑے سے پہلے ایک رنگ میں مذہبی امن قائم ہو گیا تھا جب کہ ہندو مسلمان مشترکہ طور پر سیاسی میدان میں کود پڑے تھے۔ ہندو مسلمان ایک دوسرے کو بھائی بھائی کہنے لگ گئے تھے۔ اس وجہ سے اک دوسرے کے خلاف مذہبی گالیاں بند ہو گئی تھیں۔ اور وہ پہلی جنگ جو رولٹ ایکٹ سے پہلے جاری تھی ختم ہو چکی تھی۔ پھر نئی جنگ شروع ہوئی جس کی ابتدا آریوں کی طرف سے ملکانوں کے علاقہ میں کی گئی۔ ان کے اعتراضوں کے جواب بعض مسلمانوں نے دیئے لیکن پھر بھی اگر دیکھا جائے تو آریوں کی دو کتابوں کے مقابلہ میں

مسلمانوں کی ایک کتاب نکلے گی۔ مسلمانوں کا اگرچہ دفاعی پہلو تھا۔ اور دفاع کرنے والے کو اعتراضوں کے جواب میں زیادہ لکھنا پڑتا ہے مگر پھر بھی آریوں کی طرف سے بہت زیادہ کتابیں لکھی گئیں۔ اور اگر اس سے پہلے زمانہ کی طرف جائیں تو وہاں بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہل آریوں کی طرف سے ہوئی سب سے پہلی کتاب جو آریوں کے متعلق لکھی گئی۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب براہین احمدیہ ہے۔ آریہ کہتے ہیں براہین احمدیہ سے اس جنگ کی ابتدا ہوئی۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ وہ کتاب موجود ہے اس میں نہ صرف یہ کہ گالیاں نہیں بلکہ اس میں یہ اصل پیش کیا گیا ہے کہ ایک دوسرے کے خلاف گالیاں نہیں دینی چاہئیں۔ کسی مذہب کے خلاف گندے اور ناپاک اعتراض نہیں کرنے چاہئیں۔ بلکہ اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنی چاہئیں۔ اس اصل کے ماتحت حضرت مرزا صاحب نے آریوں کو فرمایا میں تین سو دلائل اسلام کی صداقت کے پیش کرونگا تم ان کو توڑ کر دکھاؤ۔ جو انہیں توڑ دیگا اسے دس ہزار ۱۰۰۰۰ روپیہ انعام دونگا۔ پس براہین احمدیہ ہی وہ پہلی کتاب ہے جس نے یہ اصل پیش کیا ہے کہ دوسرے مذاہب پر اعتراض نہیں کرنے چاہئیں بلکہ اپنے مذہب کی خوبیاں پیش کرنی چاہئیں۔ جس کتاب نے اعتراضوں کا دروازہ بند کر دیا اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس سے لڑائی کی ابتدا ہوئی کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے اور وہ یہ کہ جب ہم براہین احمدیہ کے متعلق دیکھتے ہیں کہ کیوں لکھی گئی تو اس میں لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اس کی وجہ وہ گندی گالیاں ہیں جو آریوں کی طرف سے دی جاتی ہیں۔ پس کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب سے گالیوں کی ابتدا ہوئی۔ یہ تو آریوں کی گالیاں روکنے کے لئے اور انہیں تہذیب و شرافت سکھانے کے لئے لکھی گئی۔ اگر کوئی کہے کہ آریوں کی وہ گالیاں کہاں ہیں جو براہین احمدیہ سے پہلے دی گئیں۔ تو اسے اندر من کی کتابیں پڑھ لینی چاہئیں۔ پس یہ کہنا کہ براہین احمدیہ سے گالیوں کی ابتدا ہوئی۔ جھوٹ ہے۔ عیسائیوں کی گالیاں تو دو سو سال پہلے سے چلی آرہی ہیں۔ مگر اندر من وغیرہ کی گالیاں براہین احمدیہ کی اشاعت سے پہلے کی ہیں۔ سب سے پہلی کتاب جو آریوں کے دفاع میں لکھی گئی براہین احمدیہ ہے اور وہ اس لئے لکھی گئی کہ آریہ گالیاں دیتے تھے اور اس میں کہا گیا کہ دوسروں پر گندے اعتراض نہ کرو بلکہ اپنے مذاہب کی خوبیاں پیش کرو۔ پس ابتدا بھی آریوں کی طرف سے ہوئی اور اب بھی فتنہ آریوں نے اٹھایا۔ بعض دفعہ آریہ کہہ دیا کرتے ہیں۔ تحفۃ الہند وغیرہ کتابیں مسلمانوں کی طرف

سے شائع کی گئیں جن میں ہندوؤں کے مذہب پر حملے کئے گئے۔ مگر یہ بھی غلط ہے ان میں ہندوؤں پر حملے نہیں کئے گئے۔ بلکہ ہندوؤں کی اپنی روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ اور آریوں کا کوئی حق نہیں کہ ان کو اعتراض کے طور پر پیش کریں۔ کیونکہ جن مسائل پر ان کتابوں میں اعتراض کئے گئے ہیں ان پر بہت سخت الفاظ میں پنڈت دیانند صاحب نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ پھر وہ کتابیں اسلام پر ناپاک حملے کرنے کی وجہ کس طرح ہو سکتی ہیں۔ ان مسائل پر خود پنڈت دیانند نے بہت سخت الفاظ میں اعتراض کئے ہیں۔ جوش اس بات پر آتا ہے جسے انسان سچا سمجھتا ہو اور دوسرا اس پر گندے اعتراض کرے۔ مگر وہ بات جسے کوئی شخص سچا ہی نہ سمجھے بلکہ اس کا رشی اس پر سخت اعتراض کرے۔ اس پر اگر کسی مسلمان نے اعتراض کیا تو اسے اسلام پر حملہ کرنے کی وجہ کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔

غرض ناپاک اعتراضوں اور گندی گالیوں کی ابتدا آریوں کی طرف سے ہوئی جو مسلسل جاری رہی۔ یہاں تک کہ ۱۹۰۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو لاہور کی آریہ پرتھی ندھی سبھا نے مرزا یعقوب بیگ صاحب سے خط لکھایا کہ آپ بھی اس سبھا کے جلسے میں پڑھے جانے کے لئے مضمون لکھیں۔ اس پر آپ نے لکھوایا کہ ایسا نہ ہو آریہ اس جلسے میں اسلام اور بانی اسلام کو گالیاں دیں اس کے متعلق تسلی ہو جانی چاہئے۔ اس پر ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب نے لکھا کہ آریوں نے اطمینان دلایا ہے کہ جلسے میں قطعاً کسی پر حملہ نہ کیا جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اپنا مضمون لکھ کر بھیج دیا جس میں کوئی حملہ نہ تھا بلکہ اس میں لکھا تھا کہ ہم ہندو بزرگوں کی عزت کرتے ہیں۔ مگر باوجود وعدہ کرنے کے جسے کوئی شریف انسان توڑا نہیں کرتا اور دوبار خود زبان دینے کے جسے کوئی شریف انسان واپس نہیں لیا کرتا آریوں نے سینکڑوں آدمیوں کے سامنے رسول کریم ﷺ کے متعلق (نعوذ باللہ) ڈاکو اور فاسق کے ناپاک الفاظ استعمال کئے۔ یہ وہ شرافت تھی جو آریوں نے اس مضمون کے مقابلے میں اختیار کی جو حضرت صاحب نے ان کے جلسے میں پڑھنے کے لئے بھیجا تھا اور جس میں ان کے بزرگوں کی تعظیم و تکریم کا ذکر تھا غرض ہم شروع سے دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ اس قوم کی بد زبانی کی عادت چلی آتی ہے اور اس پر وہ اپنی نجات کا انحصار سمجھتی ہے۔ پس جس قوم کی ساری ہسٹری گالیوں سے بھری ہوئی ہو جس نے سب مذاہب کے بزرگوں کو گالیاں دی ہوں جس نے اپنی قوم کے بزرگوں کو بھی گالیاں دینے سے نہ چھوڑا ہو۔ اس کے صرف منہ سے کہہ دینے سے کہ وہ صلح کرتی ہے ہم کس

طرح صلح کے لئے تیار ہو سکتے ہیں۔

پس میرے نزدیک صلح تو ضرور ہونی چاہئے مگر اس سے پہلے کچھ شرائط بھی ضروری ہیں۔ کم از کم ہماری جماعت ان شرائط کی پابندی کرالینا ضروری سمجھتی ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں دوسرے مسلمان بھی اس بات کو نظر انداز نہیں کریں گے کہ آریوں کا صرف منہ سے کہہ دینا کافی نہیں اس کے لئے کچھ شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

میرے نزدیک سب سے پہلی شرط جو ضروری ہے وہ یہ ہے کہ دونوں قوموں کی طرف سے اس بات کا اقرار ہونا چاہئے کہ کوئی کتاب ایسی نہ لکھی جائے گی جس میں دوسرے مذاہب کے بزرگوں کے متعلق دریدہ دہنی سے کام لیا جائے یا ایسے اعتراض کئے جائیں جن میں ان کی تخفیف و تذلیل ہو نہ کہ کسی مسئلہ کا حل۔ اگر کوئی شخص ایسی کتاب لکھے گا تو اس کی قوم ذمہ دار ہو گی کہ اس کتاب کو جلا دے اور لکھنے والے کا بائیکاٹ کردے۔ اور لوگ اس سے تعلق نہ رکھیں نہ بیاہ شادیوں میں بلائیں۔ نہ موت فوت میں شامل کریں۔ نہ رشتہ لیں نہ دیں۔ میں اپنی جماعت کی طرف سے اس قسم کا معاہدہ کرنے کے لئے تیار ہوں کہ اگر کوئی احمدی ایسی کتاب لکھے تو ہم اس کا بالکل بائیکاٹ کردیں گے اور میں امید رکھتا ہوں کہ رسول کریم ﷺ اور دوسرے بزرگوں کی عزت کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کا کوئی فرقہ بھی ایسا نہ ہو گا جو اس معاہدہ کے لئے تیار نہ ہو۔ اور جب قوم کی قوم ایسا معاہدہ کرے پھر کوئی جرات نہیں کر سکتا کہ ایسی کتاب لکھے۔ پس صرف اس قسم کے الفاظ کہ مادر ہند کو اتحاد کی ضرورت ہے۔ ہمیں آپس میں رواداری سے رہنا چاہئے۔ ایک دوسرے سے اچھا سلوک کرنا چاہئے۔ ہمارے لئے کافی نہیں بلکہ ہمارے پاس کوئی ایسی بات ہونی چاہئے کہ جو فتنہ اٹھائے اسے مناسب سزا دی جا سکے۔ اگر ہندو اس بات کا اقرار کریں کہ ایسے شخص کا بائیکاٹ کردیا جائے گا۔ اور جو اس سے کسی قسم کا تعلق رکھے گا یا ہمدردی کرے گا۔ اس کا بھی بائیکاٹ کردیا جائیگا۔ تو اس صورت میں بیشک صلح کی ایک شرط پوری ہو جاتی ہے۔ مگر اس کے علاوہ اور بھی شرطیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے چھوت چھات سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ جاہل لوگوں سے کہتے ہیں دیکھو ہم مسلمانوں سے چھوت چھات کرتے ہیں کیونکہ ہم ان سے معزز ہیں۔ اور مسلمان ہماری چیزوں سے پرہیز نہیں کرتے اس لئے کہ وہ ادنیٰ ہیں۔ سات سو سال سے ہندو مسلمانوں سے یہ سلوک کرتے آئے ہیں جس کی مسلمانوں نے پرواہ نہ کی۔ مگر اب چونکہ اس بات کو مذہبی رنگ میں استعمال کیا گیا ہے اس لئے اب ہم اس سلوک پر

راضی نہیں ہو سکتے۔ ہو سکتا ہے کہ ہندو ہمیں علیحدہ طور پر کہہ دیں کہ ہم تم سے چھوت چھات نہیں کریں گے۔ مگر ہم اس پر راضی نہ ہوں گے۔ اور نہ اس پر راضی ہوں گے کہ کوئی ہندو کسی مسلمان کے ساتھ بیٹھ کر کھا پی لے۔ بلکہ ہندو علی الاعلان مسلمانوں کے ساتھ کھائیں اور آئندہ کے لئے اقرار کریں کہ مسلمانوں سے چھوت چھات نہیں کریں گے۔ لیکن اگر یہ نہیں کر سکتے تو پھر اس مسئلہ کو صلح کی شرائط میں ہی نہ رکھیں۔ جس طرح ہندو ہم سے چھوت چھات کرتے ہیں۔ اور ہم کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ اسی طرح ہمارے چھوت چھات کرنے پر وہ کوئی اعتراض نہ کریں۔

صلح کی تیسری شرط ایک اور ہے۔ چونکہ ہماری قوم چھوت چھات کی وجہ سے گرتی جارہی ہے اور ذلت برداشت کر رہی ہے۔ اس لئے ہمیں ضرورت ہے کہ اس ذلت کو دور کرنے کے لئے کوئی طریق اختیار کریں۔ یہ جو چوڑھے چمار یا اور اچھوت اقوام کے لوگ نظر آتے ہیں۔ گاؤں کے پاس علیحدہ جھونپڑیوں میں رہتے اور خود بھی اپنے آپ کو ادنیٰ اور ذلیل سمجھتے ہیں۔ ایک وقت تھا ہندوستان کی بادشاہت ان کے قبضہ میں تھی۔ یہاں کے حکمران تھے۔ مال دولت ان کی ملکیت تھی۔ لیکن جب آریہ ہندوستان میں آئے اور یہاں کے لوگوں کو شکست دے کر ان پر غالب آگئے۔ تو ان سے چھوت چھات شروع کر دی۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ چند ہزار سال کے بعد ان لوگوں کی حالت ایسی ذلیل ہو گئی جو نظر آرہی ہے۔ یہ لوگ کیوں شہروں سے باہر پنڈوروں میں رہتے ہیں۔ اس لئے کہ چھوت چھات انہیں باہر رہنے پر مجبور کرتی ہے اگر مسلمانوں کے متعلق بھی ہندوؤں کا یہ رویہ اسی طرح جاری رہا تو ایک دن مسلمان بھی اس حالت پر پہنچ جائیں گے جو چوڑھے چماروں کی ہے۔ اب چوڑہوں سے کہہ کر دیکھ لو کہ آؤ ہماری مجلس میں بیٹھو تو وہ کہیں گے نہیں جی ہم دور ہی اچھے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہزاروں سال کے سلوک سے ان کے نفس بالکل مر گئے ہیں۔ ابھی چند دن ہوئے۔ ایک دوست نے سنایا۔ جب شودرانند صاحب یہاں آئے اور انہوں نے تقریر کی۔ تو چونکہ چوہڑوں کے متعلق تھی اس لئے ایک چوڑھے کے آنے پر اس کو کہا گیا۔ آگے آکر بیٹھو۔ مگر جوں جوں اسے آگے آنے کے لئے کہا جائے وہ اور پیچھے ہٹتا جائے۔ اس وقت جب کہ دوسری قومیں اپنے حقوق کا پرزور مطالبہ کر رہی ہیں۔ چوہڑے چماروں کو اگر اپنے پاس بیٹھنے کے لئے بھی کہا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں ہم دور ہی اچھے ہیں یہ ہزاروں سال کے بائیکاٹ اور چھوت چھات کی وجہ سے ہے کہ یہ لوگ عزت نفس سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔ اگر آج اس بات کا فیصلہ نہ کیا گیا تو مسلمانوں کو بھی اسی ذلت اور رسوائی کے گڑھے میں گرنا پڑیگا جس میں

چوہڑے اور سانسی گرے ہوئے ہیں۔ اگر مسلمان آنکھیں کھول کر دیکھیں تو اب بھی انہیں معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کس حالت کو پہنچ چکے ہیں۔ آج سے ایک سو سال پہلے وہ ہندوستان کے بادشاہ تھے۔ اور بادشاہوں کے پاس مال و دولت محکوم کی نسبت بہت زیادہ ہوتا ہے۔ مگر آج ہر جگہ مسلمان ہندوؤں کے دست نگر ہیں جس کی وجہ سوائے چھوت چھات کے اور کچھ نہیں۔ پس اگر سو سال کے اندر اندر بادشاہ قوم کی یہ حالت ہو سکتی ہے کہ وہ قریباً غلاموں کی طرح زندگی بسر کر رہی ہے۔ تو سو سال کے بعد اس کی حالت چوہڑوں اور چماروں سے بھی بدتر ہو جائے گی۔ چوہڑوں نے تو ہندوؤں کی کچھ باتیں اختیار کر لی ہیں اس لئے ہندوان پر رحم کرتے ہیں مگر مسلمانوں پر قطعاً رحم نہ کریں گے۔

پس ہماری صلح کی شرائط میں سے ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ ہمارے حقوق جو گورنمنٹ نے دیئے یا آئندہ دے وہ ہماری آبادی اور اہمیت کے لحاظ سے دیئے جائیں۔ اور ہندو ان میں روک نہ بنیں۔ اگر مسلمانوں کو وہ حقوق نہ ملے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ مسلمان روز بروز گرتے جائیں گے۔ صلح کے یہ معنی نہیں کہ مسلمان ذلت اور نکبت کے گڑھے میں گر جائیں اور اپنے حقوق چھوڑ دیں۔ بلکہ یہ ہیں کہ مسلمان بھی زندہ رہیں اور معزز طور پر زندہ رہیں۔

پس ہماری یہ تین شرطیں ہوں گی جن پر ہم صلح کر سکتے ہیں (ا) ہر قوم پر ذمہ داری ہو گی کہ اگر کوئی شخص پہلی شرط کی خلاف ورزی کرے گا تو قوم اس کا بائیکاٹ کرے گی۔ اور جو نہ کریں گے ان کا بھی بائیکاٹ کیا جائے گا۔ اگر یہ نہ کیا جائے۔ تو اس قوم کے لیڈر ذمہ دار ہوں گے۔ کہ وہ ایک مقررہ رقم بطور تاوان کے دیں۔ کوئی کہے نبیوں اور بزرگوں کی ہتک کا ازالہ تاوان سے کس طرح ہو سکتا ہے خواہ کوئی لاکھ روپیہ دیدے۔ یہ صحیح ہے مگر ہم ایسے روپیہ سے رسول کریم ﷺ کی زندگی کے صحیح حالات شائع کریں گے۔ اور اس طرح ان اعتراضات کا ازالہ کریں گے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ہندو مسلمانوں سے چھوت چھات چھوڑ دیں یا اسے صلح میں نہ سمجھیں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے حقوق آبادی کے لحاظ سے حاصل ہوں اور ہندو ان میں روک نہ بنیں بلکہ مددگار ہوں۔ اگر یہ تین شرطیں ہندوؤں کو منظور ہوں تو ہم سب سے پہلے صلح کے لئے تیار ہیں۔ مگر صلح وہی کریں گے جس کے نتیجے میں قوم ذلیل نہ ہو۔ مسلمان چوہڑے چمار نہ بنیں۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہم پر یہ ذمہ داری ہے کہ ہم جو ہندوستان میں پیدا ہوئے یا باہر سے یہاں آئے اسلام کے جھنڈے کو کھڑا کریں۔ اور اس کے

لئے قوم کو زندہ رکھنا ہمارا فرض ہے۔ ورنہ اگر مسلمان چوڑھے چماروں کی طرح ہو جائیں تو پھر اسلام کا جھنڈا کون کھڑا کرے گا۔ پس آج یا کل یہ سوال اٹھے گا کہ ہندو مسلمانوں میں صلح ہو۔ اس لئے پہلے ہی یہ باتیں میں پیش کرتا ہوں۔ اگر ہندو صاحبان انہیں مان لیں تو آج صلح ہو سکتی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہندو لیڈر بجائے مسلمانوں کو گالیاں دینے کے اور ہتک آمیز الفاظ استعمال کرنے کے اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال دلانے کے ان تجویزوں پر غور کریں گے جو خاص ہمدردی اور محبت سے پیش کی گئی ہیں۔ اور اس کے لئے جسے مادر ہند کہتے ہیں اور جس کی ترقی کے لئے جان و مال قربان کر دینے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ اگر واقع میں ہندوستان کا درد ان کے دل میں ہے۔ اور وہ سچے دل سے ہندوستان کی ترقی چاہتے ہیں۔ تو آئیں ان باتوں پر غور کریں اور ان کے مطابق صلح کریں۔

(الفضل ۳۰/اگست ۱۹۲۷ء)